

115129- مسلمان میں خود اعتمادی کا کیا مطلب ہے؟ اور کیا یہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے بے نیازی شمار ہوگی؟

سوال

ایک مسلمان لڑکے میں خود اعتمادی نہیں ہے، تو اسے پیدا کرنے کے لیے کیا کرے؟ اس نے کئی طریقے اپنائے ہیں لیکن پھر بھی لوگوں سے بات کرتے ہوئے مکمل اعتماد اس میں پیدا نہیں ہو رہا۔

پسندیدہ جواب

اول :

خود اعتمادی انسان اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے، اس کے لیے خود اعتمادی پیدا کرنے والے ذرائع جانشینی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ انسان ان ذرائع کو اپنا کر اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرے، لیکن اس سے پہلے کچھ چیزوں کو سمجھنا ضروری ہے: خود اعتمادی اور خود پسندی میں فرق سمجھیں؛ کیونکہ خود اعتمادی میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی اچھی صفات کا احساس ہوتا ہے اور انسان انہیں بروئے کار لاتے ہوئے مفید سرگرمیاں سر انجام دیتا ہے، اور اگر انسان انہی اچھی صفات کا استعمال غلط کرے تو یہ خود پسندی، اور غرور بن جاتا ہے، یہ دونوں انسان کے لیے ملک بیماریاں ہیں۔ اور اگر آپ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور آپ کو عطا تھے الہی سے ملی خوبیوں کی ناشکری کریں تو آپ سستی اور کاملی میں دھست ہو جائیں گے اور دل اچاٹ رہے گا، اس طرح آپ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کو ضائع کر بیٹھیں گے، فرمان باری تعالیٰ ہے: **﴿قَدْ أَفْلَغَ تِنْ رَبَّكَاهَا * وَقَدْ خَابَ مَنْ وَسَّاها﴾** [ترجمہ: اپنا تذکیرہ کرنے والا کامیاب ہو گیا، اور اپنے آپ کو خاک میں ملانے والا ناکام ہو گیا۔] [الشمس: 9-10]

یہاں ایک اہم مسئلے کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مسلمان جب خود اعتمادی پیدا کرے تو اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اب اسے کامیابی اور راہ راست پر رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں، اور اسی طرح اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہوتا کہ اب انسان کو اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی بھی ضرورت نہیں کہ وہ اسے مشورہ دیں، اور اس کی رہنمائی کریں۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ: پروردگار مجھے ایک پلاک جھپکنے کے برابر لمحے کے لیے بھی تباہت چھوڑ!

جیسے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مصیبت زده شخص کی دعا یہ ہے: **«اللَّهُمَّ رَحِيمٌ أَنْزَلْتَ تَلْكُنَى إِلَى نَفْسِي طَرْقَةً عَنِّي وَأَصْنَعْنِي شَانِي كُلَّهُ لِلَّهِ إِلَّا أَنْتَ»**) ترجمہ: یا اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، لہذا مجھے میرے اپنے رحم و کرم پر آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تباہت چھوڑنا، بلکہ میرے سارے معاملات سنوار دے، تیرے سوا کوئی معبدوبرحت نہیں ہے۔) اس حدیث کو ابو داود: (5090) نے روایت کیا ہے اور البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح ابو داود" میں حسن قرار دیا ہے۔

اسی طرح امام نسائی: (10405) نے اسے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور البانی نے اسے بھی صحیح سنن نسائی میں حسن قرار دیا ہے، نیز سنن نسائی میں یہ بھی وضاحت ہے کہ صحیح اور شام کے اذکار میں یہ دعا پڑھی جائے۔

اشیخ ابن شیعین رحمہ اللہ سے استفسار کیا گیا:

"یہ بات کتنے کا کیا حکم ہے کہ: "فَلَمَّا شَرْحَنِي أَنْزَلْتَ تَلْكُنَى إِلَى نَفْسِي طَرْقَةً عَنِّي" [ترجمہ: مجھے میرے اپنے رحم و کرم پر آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تباہت چھوڑنا۔] سے متعارض ہے؟"

تو انہوں نے جواب دیا:

یہ جملہ کئے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ یہ حملہ "فلاں شخص میں خود اعتمادی پائی جاتی ہے" کہنے والے کامقصد تاکید ہوتا ہے یعنی: وہ شخص واقعی اپنے اندر یہ صلاحیت رکھتا ہے، اور اسے بھر پور یقین ہے۔ یہاں یہ بات بھی ہے کہ بسا واقعات انسان کی طرف کسی چیز کی جب نسبت کی جاتی ہے تو اس سے مراد یقین ہوتا ہے، تو بھی ظن غالب بھی مراد ہوتا ہے، اسی طرح بھی شک اور تردود تو بھی ظن غالب کا مقتضاد مراد ہوتا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ: "مجھے اس بات کا ذاتی طور پر یقین ہے"، یا کہے کہ: "مجھے اپنے آپ پر بھر پور اعتماد ہے" یا کہے کہ: "فلاں شخص اپنے آپ پر مکمل اعتماد کرتا ہے۔" یا کوئی کہے کہ: "فلاں اپنی بات پر خود بھی یقین رکھتا ہے" ان تمام جملوں میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے متعلقہ معاملے پر مکمل یقین ہے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لہذا اس جملے کا مشور دعا نیہ کلمات «فَلَا يُكْفِنُ إِلَى نَفْسِي طَرْدَةُ عَيْنٍ» [ترجمہ: مجھے میرے اپنے رحم و کرم پر آنکھ جھسپنے کے برابر بھی تنہامت پچھوڑنا۔] سے کوئی تصادم نہیں ہے؛ کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی اپنے آپ پر اعتماد کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم، طاقت اور دیگر ضروری اساب و وسائل عطا کیے ہوتے ہیں۔ "نختم شد

"فتاویٰ اسلامیہ" (480/4)

لہذا یہاں انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی ضرورت مزید دوچند ہو جاتی ہے کہ انسان اصل میں توجہ اپنے ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہی ہے، اسی طرح بندہ تو ناتوان ہے غنی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، بندہ اپنی ذات میں توبت کمزور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات بست قوی اور طاقت ور ہے، بندہ اپنے آپ میں بست ہی عاجز ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مسلط ہے۔

اسی تناظر میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذْ أَنْتُمْ فَقَرَأْتُمْ إِلَيْيَّ اللَّهُ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْمُحِيمُ﴾

ترجمہ: اسے لوگو! تم ہی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، بلکہ اللہ کی ذات تو غنی اور قابل تعریف ہے۔ [فاطر: 15]

تو معلوم ہوا کہ خود اعتمادی میں نہ تو خود پسندی ہونی چاہیے اور نہ ہی ذات باری تعالیٰ سے یکسر بے رنجی ہو اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ انسان کمزوری، غیر یقینی، بلا وجوہ کا تامل، اور ذاتی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو؛ بلکہ خود اعتمادی اللہ تعالیٰ کی مدد اور اسی پر توکل کرتے ہوئے کام کر دکھانے اور آگے بڑھنے کا نام ہے؛ اسی درجے کی طرف نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اشارہ کرتی ہے کہ: (طاقوت روم من اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزور مومن کی بہ نسبت محبوب بھی ہے اور بہتر بھی ہے، اگرچہ [طاقوت اور کمزور] سب مومنوں میں خیر ہے۔) جو چیز آپ کو فائدہ دے اسی کی حرص رکھو، اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور عاجز مدت بنو، پھر بھی اگر آپ کو مصیبت پہنچے تو یہ مدت کو کہ: کاش میں ایسے کریتا تو یوں ہو جاتا، بلکہ کہو: یہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھا تھا اور اس نے جو چاہا وہ ہو گیا۔ کیونکہ کاش کا لفظ شیطانی عمل کا آغاز بتاتا ہے۔) امام سلم: (2664) نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ کستہ ہیں:

"اس حدیث مبارکہ میں ایمان کے بست ہی بنیادی اصول ذکر کیے گئے ہیں:

پہلا اصول: اللہ تعالیٰ کی صفت محبت کا ابہات کہ اللہ تعالیٰ حقیقی طور پر محبت فرماتا ہے۔

دوسر اصول: اللہ تعالیٰ اپنے اسماء صفات کے تقاضوں کے مطابق چیزوں سے محبت کرتا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات قوی ہے تو طاقوٰت روم من سے محبت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات و تر ہے اور اللہ تعالیٰ کو وتر سے محبت بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات خوبصورت بھی ہے تو خوبصورتی سے محبت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات علم والی ہے تو علمائے کرام سے محبت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات صفائی پسند ہے تو اللہ تعالیٰ کو صفائی بھی پسند ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات مومن ہے تو اللہ تعالیٰ مومنین سے محبت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات احسان کرنے والی ہے اس لیے

محسن لوگوں سے محبت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات صبر کرنے والی ہے تو صبر کرنے والوں سے بھی محبت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات قدر دان ہے اس لیے شکر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

اس میں یہ بھی ہے کہ: اللہ تعالیٰ سب اہل ایمان سے محبت فرماتا ہے، لیکن کچھ سے زیادہ فرماتا ہے اور کچھ سے کم۔

یہ بھی اس حدیث میں ہے کہ: انسان کی خوشحالی تبھی ہوگی جب اپنی زندگی اور آخرت دونوں کے لیے مفید چیزوں کی حرص کرے گا، اور حرص یہ ہے کہ انسان کسی بھی چیز کے حصول کے لیے ساری طاقت صرف کر دے، حرص کملاتا ہے۔ پھر جب حریص شخص کو اپنی محنت سے فائدہ ہوتا تو اس کی حرص قابل تعریف بن جاتی ہے۔ حریص شخص کے لیے درجہ کمال انہی دو چیزوں میں پہنچا ہے کہ: پہلی چیز کہ انسان حریص ہو، اور دوسری چیز کہ مفید امور کے لیے حرص کرے۔ کیونکہ غیر مفید چیز کے لیے حرص، یا مفید کام دل کی لگن کے بغیر ہر دو صورت میں کمال کا درجہ نہیں مل سکتا؛ اس لیے مفید امور کے حصول کے متعلق کام کے لیے جان مارے تو تبھی فائدہ ہو گا۔

اب چونکہ انسانی حرص اللہ تعالیٰ کی مدد، مشیت اور توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہے تو انسان کو اس حدیث میں یہ حکم دیا کہ: اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگے، تاکہ انسان حقیقی معنوں میں "ایاں نعبد ولایاں نستعن" کے مقام پر بیٹھ جائے؛ اس لیے کہ مفید چیز کی حرص کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور حرص والی چیز اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ملنی بھی نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا۔

پھر فرمایا: {وَلَا تَعْجُزْ} یعنی: عاجز مبت بتو، مطلب یہ ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے مت بیٹھو؛ کیونکہ اس بیٹھنا حرص کے منافی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کے بھی منافی ہے؛ کیونکہ مفید امور کے حصول کے لیے حریص شخص جو کہ اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگ رہا ہو، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا؛ تو گویا اس لفظ میں انسان کی رہنمائی کی گئی ہے کہ تقدیر میں لکھا ہوا ہونے سے پہلے اپنی منشا کے مطابق تاگ و دوکرو، اور اس ذات سے مدد طلب کرو جس کے ہاتھ میں تمام امور کی باغ ڈور ہے، سب کاموں کے احکامات اسی ذات سے جاری ہوتے ہیں، اور سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

پھر اتنی بجان مارنے کے بعد بھی اگر مطلوب نہ ملا: تو دو طرح کے رد عمل ہو سکتے ہیں: انسان حالت عجز میں ہو، اور یہی عجز شیطانی عمل کا آغاز ہے، اور انسان پھر کاش کا شکر کرنا شروع کر دیتا ہے، حالانکہ یہاں کاش کئے کافائدہ بھی نہیں ہے، بلکہ یہ الفاظ بول کر انسان ملامت، جزع فزع، اللہ کے فیصلے پر عدم رضا، افسوس اور ملال میں ملوٹ ہو جاتا ہے جو کہ سر اپا شیطانی عمل ہے؛ اس لیے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطانی عمل کے نقطہ آغاز سے ہی منع فرمادیا، اور اسے دوسری حالت اپنانے کی طرف رہنمائی کی: کہ تقدیری فیصلے پر سارا معلمہ ڈال دے؛ کیونکہ اگر تقدیر میں اس کے لیے یہ لکھا ہوتا تو یہ لازمی ہونا تھا، کوئی بھی اسے روک نہیں سکتا تھا، توجب تقدیر میں ہی نہیں لکھا تھا تو کیسے ہو سکتا تھا؟ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آپ کا متعلقہ کام نہ ہو تو پھر یہ نہ کوکہ: کاش میں یہ کر لیتا اور وہ کر لیتا۔ بلکہ یوں کہو: اللہ تعالیٰ کا تقدیری فیصلہ ایسے ہی تھا، اس نے جو چاہا کر دکھایا۔ یعنی انسان کو ہر دو حالتوں میں ایسی رہنمائی دی جو انسان کے لیے مفید ہو: یعنی انسانی مراد پوری ہو جائے تب بھی اور انسانی مراد پوری نہ ہو تب بھی! یہی وجہ ہے کہ یہ ایسی حدیث ہے کہ انسان اس حدیث سے کبھی رو گروانی نہیں کر سکتا، بلکہ ہمیشہ اس حدیث سے رہنمائی لے گا، اس حدیث میں تقدیر پر ایمان کا اثبات بھی ہے، بندے کے اپنے فعل اور اختیار کا بھی اثبات ہے، یہ حدیث ظاہری اور باطنی ہر دو طرح کی عبودیت کے ظہار کی ترغیب دلائی ہے چاہے انسانی مراد پوری ہو یا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ "ختم شد مانوذراً: شفاء العلیل (18-19)

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کو دعاۓ استخارہ کی ضرورت رہتی ہے: اس دعا کے آغاز میں انسان حالت کا اعتراف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت تسلیم کرتا ہے، چنانچہ دعاۓ استخارہ میں انسان کہتا ہے: «اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَغْفِرُكَ بِعُلْمِكَ وَأَسْتَغْفِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَنْهِيُّرُ وَلَا تَقْدِرُ وَتَلْكُمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ» [ترجمہ: یا اللہ! میں تجھے تیرے علم کا واسطہ دے کر تجھ ہی سے نیز رہنمایا ہوں، اور تیری قدرت کا تجھے واسطہ دے کر تجھ ہی سے طاقت طلب کرتا ہوں، اور میں تیرے فضل عظیم کا سوالی ہوں؛ کیونکہ تو

قدرت رکھتا ہے میں نہیں رکھتا، تو جانتا ہے میں نہیں جانتا، بلکہ تو علام الغیوب ہے۔]

اس بارے میں ہم تفصیلات پلے دو سوالات : (11981) اور (2217) کے جوابات میں بیان کرچکے ہیں۔

دوم :

ہمارے مطابق درج ذیل چیزیں مسلمان میں خود اعتمادی پیدا کرتی ہیں :

1- مسلمان اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ اور توکل کرے، ہمیشہ اسی سے مدد اور نصرت طلب کرتا رہے؛ کیونکہ مسلمان اپنے رب کے بغیر کچھ نہیں ہے، جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ خود اعتمادی کبی چیز ہے، اور کبی چیزوں میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی اور توفیق کی ضرورت ہوتی ہے، تو جس قدر مسلمان کا اعتماد اللہ تعالیٰ پر زیادہ ہو گا اتنا ہی مسلمان خود اعتمادی کے اعلیٰ درجات پر فائز ہو گا۔

یہی وجہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم فرعون اور اس کے لشکر سے بھاگے اور جب دونوں آمنے سامنے ہوئے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ پر اعتماد کھل کر سامنے آیا، جیسے کہ قرآن کریم میں ہے کہ :

(فَقَاتَرَاهُ إِنْجِعَانٌ قَالَ أَضْحَابُ مُوسَى إِنَّا لَأَذْرَكُونَ قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعَنِيَ رَبِّيْ سَيِّدِنَاِنَّ).

ترجمہ : پس جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے : یقیناً ہم تو پڑھے گئے ! تو موسیٰ نے کہا : ہرگز نہیں، یقیناً میرے ساتھ میرے رب ہے، وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔ [الشعراء : 61-62]

2- اپنے اندر متعلقہ خوبیاں تلاش کر کے انہیں پروان چڑھائے، اور اپنے آپ کو مضبوط کرے، اور اگر کوئی نفس اور خامی ہے تو اسے دور کرے۔

خود اعتمادی کو مزید ٹھووس بنانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خوبیوں اور کارناموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اس طرح آپ کی خود اعتمادی میں اضافہ ہو گا، بلکہ اپنے اندر پائی جانے والی خامیوں کا علاج کریں، اور انہیں کمزوری سے اٹھا کر مضبوطی اور مہارت کی پہلی لائیں میں لا کھڑا کریں۔

3- خود اعتمادی کی جگہ میں لگے ہوئے مسلمان کے لیے یہ بہت اہم چیز ہے کہ منفی باتیں اپنی زبان سے مت دہرائے، مثلاً : یہ مت کہ کہ : میرے اندر خود اعتمادی نہیں ہے ! یا یہ مت سوچے کہ : وہ بھی بھی کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

4- مسلمان کو چاہیے کہ اپنی زندگی کے کچھ اہداف متعین کرے، ترتیب و ارائے اہداف کے حصول کے لیے اپنی کوششوں کا جائزہ لیتا رہے؛ کیونکہ خود اعتماد شخص ہمیشہ اپنے اہداف کو پالیتا ہے؛ کیونکہ اس نے منصوبہ بندی اچھے انداز سے کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلتے میں اچھے نتائج عطا فرماتا ہے۔

5- مسلمان اپنے حلقة احباب میں صرف ایسے لوگوں کو شامل کرے جو نیک لوگ ہوں؛ کیونکہ اس طرح انسان کے کامیابی کے موقع مضبوط ہو جاتے ہیں اور انسان کے کامیاب ہونے پر اس کے دوست بھی خوش ہوتے ہیں، پھر مزید آگے بڑھنے کے لیے مکمل ترغیب بھی دلاتے ہیں، پھر اچھے دوست وہی ہوتے ہیں جو کمزوری کے پہلوؤں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، بلکہ اسے بہترین راہ پر چلنے کی رہنمائی بھی دیتے ہیں، اس طرح حلقة احباب کے لوگ مسلمان میں خود اعتمادی پیدا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

6- ماضی میں کیے ہوئے تجربوں کو مت دہرائے، جاں ناکامی ہوئی تھی وہاں دوبارہ مت جائے؛ کیونکہ اس طرح انسان کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے، انسان اپنی کامیابی کے پہلوؤں پر توجہ نہیں دے سکتا، جو کہ کسی بھی مسلمان کو پسند نہیں ہے۔

سوم :

مسلمان اپنے آپ پر کنٹروں کرے یہ ممکن ہے اور مسلمان اپنا ہدف درست کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، یعنی اگر کسی مسلمان کو خصہ کرنے کی عادت ہوتا تو، مسلمان کو اپنے آپ پر مکمل اعتماد ہونا چاہیے کہ وہ اپنے غصے کو کنٹروں کر سکتا ہے، اور غصے کے برے نتائج سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ انسان اپنی اصلاح اور تہذیب کے لئے بھی کوشش کرتا رہے، اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بتلائے ہوئے راستے اپنی تربیت کرے، یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے بلکہ بہت ہی آسان ہے، بس شرط یہ ہے کہ انسان کے پاس قوت ارادی ہو تو کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے۔

ہم نے پہلے سوال نمبر : (45647) اور (658) کے جواب میں غصے کے علاج کے متعلق شرعی طریقے بیان کیے ہیں، ان کا مطالعہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

اپنی غصیلی طبیعت کا علاج جس نے کرنا وہ صرف عملی طور پر کام شروع کر دے، غصہ ویسے ہی ختم ہو جائے گا، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم عمل سے ہی جان بھراتے ہیں، ہم باہم تو بت کرتے ہیں میں عمل نہیں کرتے، اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ ذاتی تزکیہ کے لیے اقدامات کرتا رہے، اور اپنے آپ کو عملی شخصیت بنانے، اللہ تعالیٰ نے جس کا حکم دیا ہے وہ کرے، اور جس سے روکا ہے اس سے روک جائے، اس طرح آپ کامیاب لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

{ولَا تَكُونَ مِنَ الْمُنْظَرِ إِلَّا حِلَالٌ لِّلْأَبَابِ وَلَا تَكُونَ مِنَ الْمُنْهَاجِ مِنَ الْعَبُورِ مَقْضِيٌّ}

ان لوگوں کی طرح مت بن جو اپنے سامنے دروازے کو عجز کے تالے کے ساتھ مغلل کر دیتا ہے۔

{وَمَا لِلنَّاسِ إِلَّا حِلَالٌ يَحْجَلُ الْمُنَفِّي صَاحِبُ الْأَعْمَالِ نَفَكَ فَإِنْ جَعَلَ}

کیونکہ انسان تو وہی کچھ ہوتا ہے جماں انسان اپنے آپ کو رکھتا ہے، اس لیے تم اپنے آپ کو شبت سرگرمیوں میں مصروف رکھو

سوال نمبر : (22090) کے جواب میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ مسلمان اپنی تربیت کیسے کرے؟ اس کا مطالعہ مفید ہو گا۔

واللہ اعلم